بغداد کا تاریخی وسیاسی پس منظر

محمد سہیل شفیق*

ABSTRACT:

In about 145 A.H./762 A.D., city of Baghdad was founded as the new capital of Abbasids. Over the next five centuries, the city would become the world's center of education and culture. This period of glory has become known as the "Golden Age" of Islamic civilization, when scholars of the Muslim world made important contributions to both the physical and social sciences.

Under Abbasid rule, Baghdad became a city of museums, hospitals, libraries, and mosques. Most of the famous Muslim scholars from the 9th to 13th centuries had their educational roots in Baghdad. While Europe festered in the Dark Ages, Baghdad was thus at the heart of a vibrant and diverse civilization. It was known as the world's richest and most intellectual city of the time.

After 500 years of rule, however, the Abbasid dynasty slowly began to lose its vitality and relevance over the vast Muslim world. The city of Baghdad was finally trashed by the Mongols in 656 A.H./1258 A.D., effectively ending the era of the Abbasids. The Tigris and Euphrates Rivers reportedly ran red, with the blood of thousands of scholars. Many of the libraries, and great historical treasures were looted and forever ruined.

In this article the historical and political background is discussed in detail.

خلاصہ:

تقریباً ۱۴۵ھ / ۷۶۲ء میں بغداد عباسیوں کے نئے دارالخلافہ کے طور پر تعمیر کیا گیا تھا۔ پھر پانچ صدیوں میں یہ شہر تعلیم اور ثقافت میں دنیا کا مرکز بن گیا۔ اسی لیے اس عرصے کو اسلامی تہذیب کا سنہری دور کہا جاتا ہے۔ جب اسلامی دنیا کے علما و فضلا نے طبعی اور معاشرتی علوم میں اہم کام کیے۔

عباسیوں کے دور میں بغداد عجائب خانوں، اسپتالوں، کتب خانوں اور مساجد کا شہر ہو گیا تھا۔ نویں تا تیرہویں صدی کے معروف مسلم علما کے علم و فضل کی جڑیں بغداد میں ہی تھیں۔ یہ یورپ کا تاریک دور تھا۔ بغداد اس دور میں دنیا کا امیر

* ڈاکٹر، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامی تاریخ، جامعہ کراچی، sascom7@yahoo.com
تاریخِ موصولہ: ۱۰ر ستمبر ۲۰۱۰ء

ترین اور بہت ترقی یافتہ شہر کے طور پر جانا جاتا تھا۔

پانچ سو سال تک حکومت کرنے کے بعد دنیائے اسلام پر عباسیوں کا دبدبہ آہستہ آہستہ کم ہونے لگا اور بالآخر ۶۵۶ھ / ۱۲۵۸ء میں بغداد منگولوں کے ہاتھوں تباہ ہو گیا اور عباسیوں کا دور بھی ختم ہو گیا۔ دجلہ اور فراط کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ہزاروں علما کے خون سے سرخ ہو گئے تھے۔ بہت سے کتب خانے، تاریخی خزانے لوٹے گئے اور ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئے۔

اس مقالے میں تاریخی اور سیاسی پس منظر کا جائزہ لیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں پہلی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد پہلے تین خلفاء راشدین کے دور میں بھی مرکز خلافت مدینہ منورہ ہی رہا، اور اس حوالے سے نہ صرف سیاسی و عسکری قوت کا مرکز تھا بلکہ علمی وفکری سرگرمیوں کا محور بھی مدینہ منورہ ہی تھا۔ البتہ چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی بن ابی طالب نے جب مرکز خلافت مدینہ منورہ سے کوفہ (۱) منتقل کیا تو مدینہ کی سیاسی اہمیت میں کمی واقع ہوئی۔ لیکن کوفہ کو بھی محض حضرت علیؓ کے پانچ سالہ دورِ اقتدار میں یہ سیاسی اہمیت حاصل رہی، ازاں بعد بنوامیہ کے اقتدار کے آغاز کے ساتھ ہی مرکزِ خلافت کوفہ سے دمشق منتقل ہوگیا۔ بنوامیہ کے ۹۲ سالہ دورِ اقتدار میں دمشق ہی سیاسی و عسکری طور پر سب سے زیادہ فعال شہر تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں جس اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی اپنی اسلامی خصوصیات کے اعتبار سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دس سالہ دورِ حکومت اسلامی تاریخ کا روشن ترین دور ہے جس کی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں ملتی ہے، جس طرح عدل و انصاف اور مساوات مسلم وغیر مسلم تمام شہریوں کو فراہم کیا گیا اور حکمران فی الواقع عوام کے خادم تھے۔

بنوامیہ سے بنوعباس کی طرف انتقال اقتدار کا معاملہ صرف ایک خانوادے سے دوسرے خانوادے تک اقتدار کی منتقلی ہی نہ تھی بلکہ کئی اعتبار سے ایک نئے دور کا آغاز تھا۔ اس دور میں طرزِ حکومت سے لے کر معاشرتی رویوں تک اتنی تبدیلیاں آئیں گویا قلب ماہیئت ہوگئی۔ عربی حکومت اور معاشرہ نے عجمیت کا لبادہ اوڑھ لیا کیونکہ اہل فارس نے عباسی تحریک میں بڑا نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ اور انہی کی قوت نے عباسی سفینہ اقتدار کو ساحلِ مراد تک پہنچایا تھا۔

عباسیوں کو اپنی نوزائیدہ ریاست کے لیے ایک موزوں اور مناسب دارالحکومت کی تلاش تھی۔ دمشق کو وہ دارالحکومت نہیں بنا سکتے تھے کہ صرف دمشق ہی نہیں پورا شام ان کا مخالف تھا۔ عراق میں سوائے کوفہ کے کوئی قابلِ ذکر شہر نہیں تھا جو عباسیوں کی وسیع وعریض ریاست کا مرکز بن سکتا۔ اور کوفہ کا معاملہ یہ تھا کہ یہاں اکثر حوادث و واقعات رونما ہوتے رہتے تھے۔ یہاں کی ملی جلی آبادی میں مختلف افکار ونظریات رکھنے والے لوگ موجود تھے، ان کی فکری رنگا رنگی اور مختلف اور مخالف سیاسی وابستگیوں نے اسے ایک ہنگامہ پرور بلکہ یک گونہ پرفتن شہر بنا رکھا تھا۔ اس اعتبار سے یہ شہر ایک ایسی مملکت کا پایہ تخت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا جو استقرار و استحکام کی متلاشی تھی۔

پہلے عباسی خلیفہ ابوالعباس السفاح (۱۳۲ھ/۷۴۹ء تا ۱۳۶ھ/۷۵۳ء) کی بیعت خلافت جامع مسجد کوفہ میں ہی ہوئی تھی۔ اس کے بعد اس نے مقتول اموی گورنر یزید بن ہبیرہ کی قیام گاہ کو اپنا مستقر بنایا۔ یہ ایک شاندار عمارت تھی جو شہر سے کئی فرسخ کے فاصلے پر واقع تھی۔ سفاح نے اس کا نیا نام ''ہاشمیہ'' رکھا، لیکن لوگوں نے اس نام کی طرف توجہ نہیں کی اور اسے ''قصرِ ابن ہبیرہ'' ہی کے نام سے پکارتے رہے۔ یہ بات سفاح کے لیے ناگوارِ خاطر تھی۔ اس نے اس کے قریب ہی ایک چھوٹی سی بستی بسائی جس کا نام ''ہاشمیہ'' رکھا اور وہاں منتقل ہو گیا۔ کچھ عرصے بعد ''ہاشمیہ'' کو بھی چھوڑا اور ایک چھوٹا سا شہر ''انبار'' (۲) کے نام سے بسایا جہاں دو سال تک مقیم رہا، پھر وفات پائی اور یہیں دفن ہوا۔ (۳)

سفاح کے بعد جب ابوجعفر المنصور (۱۳۶ھ/۷۵۳ء تا ۱۵۸ھ/۷۷۴ء) تختِ خلافت پر متمکن ہوا تو ابتدا میں اس نے ''ہاشمیہ'' ہی کو اپنا پایہ تخت بنایا اور یہاں بہت سے تعمیراتی کام بھی کیے لیکن متعدد اسباب کی بناء پر وہ اس نو آباد بستی کو اپنا مستقل مرکزِ حکومت بنانا نہیں چاہتا تھا۔

۱۔ ''ہاشمیہ'' کوفہ سے بہر حال بہت قریب تھا اور کوفہ شیعانِ علی کا گڑھ تھا۔ شیعانِ علی کی ایک بہت بڑی تعداد وہاں آباد تھی اور یہ خطرہ ہر وقت موجود تھا کہ کہیں 'اہلِ بیتِ نبوی' کے نام پر یہ لوگ سردارانِ فوج اور حکام وعمالِ حکومت کو ورغلانے نہ لگیں۔ یہاں رہ کر ان سے امن حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔

۲۔ ہاشمیہ کی آب وہوا ابوجعفر المنصور کو پسند نہیں تھی۔ اکثر ریتیلی آندھیاں چلتی رہتیں تھیں جو بستی اور اہلِ بستی کا حلیہ بگاڑ دیتیں۔

۳۔ فرقہ راوندیہ کی شورش نے ابوجعفر المنصور کو مجبور کیا کہ وہ ایک نیا مرکزِ حکومت قائم کرے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ابومسلم خراسانی کے لشکر کا ایک گروہ جو ''راوندیہ'' کہلاتا تھا۔ ''حلول'' پر اعتقاد رکھتا تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ خدائے عزوجل، ابوجعفر المنصور کے جسم میں حلول کر گیا ہے اور روحِ آدمؑ، ابومسلم خراسانی کے قاتل، عثمان بن نہیک کے جسم میں حلول کر گئی ہے۔ یہ لوگ ہاشمیہ میں ہی رہتے تھے اور اپنے عقائد کا پرچار کرتے رہتے تھے۔ ابو جعفر المنصور نے اس گروہ کے بعض سرکردہ افراد کو گرفتار کیا تو ان لوگوں نے جیل پر ہلّہ بول دیا اور بہت سے گرفتار شدگان کو چھڑا کر لے گئے۔ پھر قصرِ خلیفہ کی طرف یورش کی۔ قصرِ خلیفہ کے نگہبانوں کی تعداد بھی کافی نہ تھی۔ منصور کو بہر حال قلیل التعداد نگہبانوں کے ساتھ، ان کے خلاف صف آرا ہونا پڑا۔ تلواریں میانوں سے نکل آئیں اور کافی خون خرابہ ہوا۔ (۴)

الغرض ان وجوہات کی بناء پر ایک نیا دارالخلافہ تعمیر کرنے کا عزم، مصمم ہوتا گیا اور عراق ہی کے اطراف وجوانب میں ایک پرانی بستی، ''باغ داد'' کا مقام، آب وہوا اور محلِ وقوع کے اعتبار سے پسند آیا تو وہاں دارالخلافہ تعمیر کرنے کا حکم دے دیا گیا۔ تقریباً پانچ سال اس شہر کی تعمیر میں لگے۔ نئے شہر کا نام ''مدینۃ السلام'' (بغداد) رکھا گیا اور ابوجعفر المنصور یہاں منتقل ہو گیا۔

بغداد دریائے دجلہ کے دونوں کناروں پر آباد کیا گیا۔ (۵) اس کی بنیاد آٹھویں صدی عیسوی میں رکھی گئی اور اس وقت سے خلافتِ عباسیہ کے خاتمے تک یہ برابر دارالخلافہ اور صدہا سال تک عالمِ اسلام کا ثقافتی مرکز رہا۔ تاہم چند سال کے لیے،

معتصم باللہ (۲۱۸ھ/۸۳۳ء تا ۲۲۷ھ/۸۴۲ء) کے دورِ خلافت میں ''سامرا'' (۶) کو دارالخلافہ کی حیثیت دے دی گئی۔ تاہم بعد میں خلفائے عباسیہ نے پھر بغداد کو اپنا مرکز خلافت بنالیا۔ ۱۲۵۸ء کے بعد یہ ایک صوبے کا صدر مقام اور عثمانی ترکوں کے تحت ولایت بغداد کا مرکز رہا۔ ۱۹۲۱ء میں یہ جدید مملکت عراق کا دارالحکومت ہوگیا۔(۷)

بغداد اسلامی عہد سے پہلے کا نام ہے۔ جس کا تعلق زمانہ سابق کی ان بستیوں سے ہے جو اسی مقام پر آباد تھیں۔ عرب مصنفین اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں اور حسب معمول اس کی اصل کا سراغ لگاتے ہیں۔ انہوں نے اس کے مختلف قیاسی معنی دیے ہیں، جن میں سب سے زیادہ مقبول ''دادۂ خدا'' یا ''عطیہ خدا'' (یا ''عطیۃ الصنم'') ہے۔(۸)

فرہنگ آنندراج (بذیل مادہ 'بغ' و'بغداذ') میں ہے کہ بغ ایک بت کا نام تھا اور شہر بغداد کی بنیاد اسی بت کے نام پر رکھی گئی، نیز یہ کہ بغداد دراصل 'باغِ داذ' ہے۔ یعنی وہ باغ جہاں نوشیروان مظلوموں کی دادرسی کیا کرتا تھا۔(۹)

جدید مصنفین کا رجحان بھی عموماً اس طرف ہے کہ اصل میں یہ فارسی لفظ ہے۔(۹) مگر بعض دوسرے مصنفین کی رائے یہ ہے کہ اس لفظ کی اصل آرامی ہے۔ جس کے معنی ہیں ''بھیڑوں کا باڑہ یا احاطہ'' (۱۰) طبری نے بغداد کی جائے وقوع کے ضمن میں ''سوق البقر'' (گایوں کی منڈی) کا جو ذکر کیا ہے وہ قابل لحاظ ہے۔(۱۱)

حمورابی (Hammurabi) کے عہد (۱۸۰۰ ق م) کی ایک قانونی دستاویز میں شہر ''بگدادو'' Bagdadu کا ذکر ہے۔(۱۲)

عباسی خلیفہ المنصور نے اپنے شہر کا نام مدینۃ السلام (سلامتی کا شہر) (۱۳) رکھا۔ اس میں جنت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔(۱۴) یہی سرکاری نام دستاویزات، سکوں اور باٹوں وغیرہ پر لکھا جاتا تھا۔ اس کی مختلف شکلیں، خصوصاً بغدان اور عرفی نام جیسے مدینۃ ابی جعفر، مدینۃ المنصور، مدینۃ الخلفاء اور الزوراء بھی استعمال کیے جاتے تھے۔(۱۵)

طبری کے مطابق منصور نے اپنا شہر جہاں آباد کیا وہاں اسلام سے پہلے کی بہت سی بستیاں آباد تھیں۔ ان میں سب سے اہم گاؤں بغداد تھا۔(۱۶)

بغداد کی قسمت میں بابل، سلوقیہ اور مدائن کی جگہ لینا اور ان سب سے بازی لے جانا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ گویا کسی جادوگر نے ایسا منتر پڑھا کہ یکا یک مدائن اور بابل و نینوا، اُر اور دورِ قدیم کے سارے مشرقی دارالسلطنتوں نے ابوجعفر المنصور کی بستی کو اپنی عظمت وجلال کا وارث بنادیا۔ بغداد کو شان وشوکت کا وہ مرتبہ حاصل ہوا جو شاید قسطنطنیہ کے سوا کسی اور شہر کے نصیب میں نہ آیا تھا۔(۱۷)

بغداد کی تعمیر کا نقشہ ۱۴۱ھ/۷۵۸ء میں تیار ہو چکا تھا۔(۱۸) لیکن تعمیر کا کام یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۵ھ/۱۲ اگست ۷۶۲ء میں شروع ہوا۔(۱۹) چار ماہرین فنِ عمارت نے اس شہر کا منصوبہ تیار کیا۔ حجاج بن ارطاۃ نے مسجد کا نقشہ تیار کیا (۲۰) تعمیر کے لیے المنصور نے ایک لاکھ مزدور اور کاریگر اکٹھے کیے تھے۔(۲۱) ۱۴۹ھ/۷۶۶ء تک اسلامی دنیا کے اس پہلے مدور شہر کی تعمیر پایہ تکمیل تک پہنچ گئی۔(۲۲)

دائرے کی شکل میں ہونے کی وجہ سے اس کا مرکز اپنے مختلف حصوں سے یکساں فاصلے پر تھا۔ لہذا شہر کا دفاع اور انتظام آسانی سے ہوسکتا تھا۔ الیعقوبی کے مطابق یہ شہر اپنی مثال آپ تھا۔ (۲۳) شہر کے وسط میں ایوان شاہی کی عمارت تھی جو قصر الذہب کے نام سے موسوم تھی۔ اس کے درمیانی ہال پر اسی گز بلند گنبد تھا جو قبۃ الخضراء کہلاتا تھا۔ اس کی چوٹی پر ایک اسپ سوار مجسمہ نصب تھا۔ یہ گنبد بغداد کے ہر حصے سے نظر آتا تھا۔ (۲۴)

پھر جب بغداد میں آبادی کی کثرت ہوگئی تو ۱۵۷ھ/۷۷۳ء میں منصور نے شہر سے باہر باب الخراسان کے مقابل ایک قصر دریائے دجلہ کے کنارے تعمیر کیا، جس میں وسیع باغات تھے۔ اس کا نام 'الخلد' رکھا۔ (۲۵) بغداد بہت جلد کثرت عمارات، تجارتی چہل پہل، ثروت اور آبادی میں بڑھتا چلا گیا۔ آبادی کی ترتیب یہ تھی کہ وسط شہر میں قصر الذہب کی عمارت اور جامع مسجد تھی۔ اس کے آس پاس دور تک پولیس اور حفاظتی سپاہ کی چوکی کے علاوہ اور کوئی آبادی نہ تھی، شہر پناہ کی دونوں دیواروں کے بیچ میں ایک بہت بڑا قید خانہ تھا جس کا نام مطبق تھا۔ (۲۶)

شاہی ایوان کے بعد شہزادوں کے محلات اور ان کے خدام اور متوسلین کے مکانات تھے، ان کے بعد سرکاری دفاتر کی حسب ذیل عمارتیں تھیں:

بیت المال، السلاح، دیوان الرسائل، دیوان الخراج، دیوان خاتم، دیوان الحوائج، دیوان الاشام، دیوان النفقات، مطبخ عامہ (۲۷)

ان عمارتوں کے بعد امرائے دولت اور ارکان حکومت کے مکانات تھے، آخر میں عام آبادی اور بازار تھے۔ ہر طبقہ اور تمام اہل حرفہ کے محلے الگ الگ اور ان کے باشندوں یا اس محلّہ کے ممتاز اشخاص کے نام سے موسوم تھے۔ (۲۸) ہر چیز کے بازار جدا تھے۔ (۲۹) ہر محلّہ، بازار اور آبادی سے متعلق اتنی مسجدیں تھیں جو ان کے لیے کافی ہوں۔ (۳۰) ۱۴۶ھ میں بیوت اموال وخزائن ودواوین کوفہ سے بغداد منتقل کیے گئے۔ (۳۱)

سرزمین عراق کی تعریف کرتے ہوئے خطیب بغدادی نے لکھا ہے:

> ''عراق میں جہاں بغداد واقع ہے، وہ بہترین خطہ ارض ہے اور بالکل بیچوں بیچ واقع ہے۔ اسے چھ اقالیم گھیرے ہوئے ہیں، یعنی ترک، ہند، چین، شام، حجاز اور مصر۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کے باشندوں کا رنگ معتدل ہے۔ جسم متناسب ہے۔ جس طرح یہ اپنی خلقت کے اعتبار سے معتدل ہیں، اسی طرح ذہانت، علم دوستی، ادب پروری اور محاسن امور سے متصف ہیں۔'' (۳۲)

بغداد کے حسن وجمال کی تعریف میں شعراء رطب اللسان ہیں اور اسے ''فردوس ارضی'' کہتے ہیں۔ اس کے حیرت انگیز باغات، سرسبز دیہات، اونچے اونچے عالیشان محلات، جن کے دروازے اور ایوان اعلیٰ نقش ونگار سے آراستہ اور نفیس وپرتکلف قالینوں سے مزین تھے، بہت مشہور تھے۔

جنگی مصالح اور ابوجعفر منصور کی حکمت عملی کہ فوج کو منقسم رکھا جائے، پھر جگہ کی کمی، یہ وجوہ تھوڑے ہی دنوں میں اس بات کے محرک ہوئے کہ خلیفہ ولی عہد المہدی کے لیے دریائے دجلہ کی شرقی جانب ایک فوجی معسکر تعمیر کرے۔ اس کا مرکزی حصہ معسکر المہدی تھا۔ (جس کا نام بعد میں رصافہ ہو گیا کیونکہ ہارون الرشید نے وہاں اس نام کا ایک محل بنایا تھا) جس میں اس کے محل اور مسجد کی تعمیر ہوئی۔ اس کے اردگرد فوجی سرداروں اور متوسلین کے گھر تھے۔ تجارتی سرگرمیاں بھی بہت جلد باب الطاق کی منڈیوں (اسواق) میں شروع ہو گئیں۔ اس کی تعمیر ۱۵۱ھ/۷۶۸ء میں شروع اور ۱۵۷ھ/۷۷۳ء میں مکمل ہوئی۔ رصافہ المنصور کے شہر کے تقریباً مقابل بنا تھا۔ (۳۳)

ہارون الرشید (۱۷۰ھ/۷۸۶ء تا ۱۹۳ھ/۸۰۹ء) خلافت عباسیہ کا گل سرسبد اور اس کا عہد، عباسی حکومت کا زریں دور تھا۔ اس کے زمانہ میں دولت عباسیہ علمی، تمدنی، سیاسی، ہر حیثیت سے اوج کمال پر پہنچ گئی۔ خطیب کا بیان ہے کہ: ''عمارتوں، آبادی کی کثرت اور رفاہیت کے اعتبار سے بغداد ہارونی عہد میں اوج شباب پر پہنچ گیا، اس کے دور میں ملک سرسبز و شاداب، آسودہ حال اور رعایا فارغ البال تھی۔'' (۳۴)

عباسی خلفاء کی موجودگی میں شعری مقابلے، مذہبی سیمینار اور ادبی کانفرنسیں اکثر ہوا کرتی تھیں۔ (۳۵) بغداد میں ہارون الرشید کا دربار علم وحکمت کے جن ستاروں سے منور تھا ان میں سے چند کے نام یہ ہیں۔ شعراء میں ابونواس، ابوالعتاہیہ، دعبل، مسلم بن الولید، عباس بن الاحنف، موسیقاروں میں موصل کے ابراہیم اور ان کے صاحبزادے اسحاق، مبلغوں میں ابن السماک اور مورخوں میں الواقدی۔ (۳۶)

بغداد کو امین اور مامون کے باہمی جدال وقتال کے زمانے میں سخت نقصان پہنچا۔ چودہ ماہ تک اس کا محاصرہ رہا تو جنگ خود شہر تک پہنچ گئی۔ (۳۷) اہل شہر کی شدید مقاومت سے زچ ہو کر طاہر (۳۸) نے حکم دیا کہ مدافعین کے گھر منہدم کر دیے جائیں، چنانچہ دریائے دجلہ، دارالرقیق، باب الشام، باب الکوفہ سے نیز صراۃ، نہر کرخایہ اور کناسہ تک محلے کے محلے تباہ و برباد کر دیے گئے۔ (۳۹) سرکش بلوائیوں، بے لگام رضا کاروں اور عیاروں کے ہاتھوں یہ تباہی پایہ تکمیل کو پہنچ گئی یہاں تک کہ بغداد کی ساری شان وشوکت جاتی رہی۔ (۴۰) بغداد میں یہ انتشار جاری رہا تا آنکہ ۲۰۴ھ/۸۱۹ء میں المامون مَرو سے بغداد پہنچ گیا۔ المامون کے عہد میں بغداد نے دوبارہ زندگی پائی۔

مامون (۱۹۸ھ / ۸۱۳ء تا ۲۱۸ھ/ ۸۳۳ء) کا دور، عربی ادب کا عہد زریں کہلاتا ہے۔ اس کا دربار معلموں، اتالیقوں، مترجموں اور وقائع نگاروں پر مشتمل تھا۔ نیز مختلف النسل حکماء، ادباء، شعراء، اطباء اور فلاسفہ کی بدولت اس کا دربار علم ودانش کا زبردست مرکز بنا ہوا تھا۔ جہاں علمی، ادبی اور فکری موضوعات پر بحث ومباحثہ کا بازار گرم رہتا۔ جن میں اکثر وہ خود بھی نمایاں حصہ لیتا تھا۔ ایک دفعہ، مامون نے مجلس میں سوال کیا کہ آیا تم میں کوئی شخص ایسا شعر سنا سکتا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ شاعر کو بادشاہ ہونا چاہیے تھا۔ جب کسی نے تسلی بخش جواب نہ دیا تو اس نے ولید بن یزید کا یہ شعر پڑھا:

مجھے عوام کی وفاداری چاہیے اور عوام کو میری بے کنار رواداری (۴۱)

معتصم نے ایرانیوں کا زور توڑنے کے لیے ترکوں کو آگے بڑھانے کی پالیسی اختیار کی اور سمرقند، فرغانہ اور اشروسنہ وغیرہ سے ہزاروں غلام خرید کر منگائے اور بڑے بڑے قومی مناصب پر فائز کیا۔لیکن خود ترکوں کا اقتدار بہت بڑھ گیا۔وہ بڑے وحشی اور تہذیب وتمدن سے نا آشنا تھے اس لیے اہل بغداد ان کی وجہ سے بڑی مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔وہ سڑکوں پر بے تحاشہ گھوڑے دوڑاتے تھے۔عورتیں، بوڑھے، بچے کچل جاتے تھے اور ترک کوئی پرواہ نہ کرتے تھے، بغدادیوں نے معتصم سے فریاد کی، اس نے انہیں بغداد سے الگ رکھنے کے لیے اس کے قریب ایک شہر سامرا آباد کیا اور اسکی تعمیر کے بعد خود بھی وہیں منتقل ہو گیا۔(۴۲)

سامرا کے دور (۸۳۶ءتا۸۹۲ء) میں بغداد خلفاء کی براہ راست توجہ سے محروم رہا۔(۴۳) تاہم وہ تجارتی اور ثقافتی سرگرمیوں کا بڑا مرکز بنا رہا۔

بغداد کو ترکوں کے ہنگاموں سے بہت نقصان پہنچا، جب مستعین (۲۴۸ھ/۸۶۲ءتا۲۵۲ھ/۸۶۶ء) سامرا چھوڑ کر بغداد آ گیا اور وہاں معتز (۲۵۲ھ/۸۶۶ءتا۲۵۵ھ/۸۶۹ء) کی فوج نے ۲۵۱ھ/۸۶۵ء میں اسے سال بھر محصور کیے رکھا۔ اس زمانے رصافہ سوق الثلاثاء تک پھیل گیا تھا۔مستعین نے بغداد کے دفاعی استحکام کا حکم صادر کیا۔شرقی جانب کی دیوار باب الشماسیہ سے سوق الثلاثاء تک بڑھادی گئی اور غربی جانب قطیفہ (۴۴) ام جعفر سے مختلف سکونی علاقوں کے گرد ہوتی ہوئی صراۃ تک پہنچ گئی اور اس کے گرد کی مشہور خندق جس کا نام 'طاہر' تھا کھودی گئی (۴۵)

محاصرے کے زمانے میں مشرقی دیوار کے باہر، مکان، دکانیں اور باغ دفاعی تدبیر کے طور پر تباہ کر دیے گئے۔ (۴۶) اور شماسیہ، رصافہ اور مخرم (۴۷) کے شرقی محلوں کو سخت نقصان پہنچا۔

۲۷۸ھ/۸۹۱ء میں معتمد (۲۵۶ھ/۸۷۰ءتا ۲۷۹ھ/۸۹۲ء) قطعی طور پر بغداد منتقل ہو گیا۔اس نے بوران سے قصر حسنی (۴۸) مانگا، چنانچہ بوران نے اس کی نئے سرے سے تزئین وآرائش کرائی اور اسے خلیفہ کے حوالے کر دیا۔(۴۹)

اس کے بعد ۲۸۰ھ/۸۹۳ء میں معتضد (۲۷۹ھ/۸۹۲ءتا۲۸۹ھ/۹۰۲ء) نے اس محل کو نئے سرے سے تعمیر کیا۔ اس کے میدانوں کو وسعت دی، اس میں نئے مکانات کا اضافہ کیا۔اس کے گرد خاص دیوار کھینچ دی۔ چونکہ اسے دارالخلافہ بنانا مقصود تھا چنانچہ اس میں اضافے ہوتے رہے اور یہ مستقر حکومت بنا رہا۔(۵۰)

مکتفی (۲۸۹ھ/۹۰۱ءتا/۲۹۵ھ/۹۰۷ء) نے قصر التاج تعمیر کیا۔اس میں ایوان اور رقبے بنائے اور دجلہ پر بارانداز بھی تعمیر کیا۔(۵۱)

۹۰۲ء میں مکتفی نے محل کے قید خانے ڈھادیے اور ایک جامع مسجد (جامع القصر) تعمیر کی، جو مقتدر کے زمانے تک تیسری جامع مسجد بنی رہی۔(۵۲)

مقتدر (۲۹۵ھ/۹۰۸ءتا ۳۲۰ھ/۹۳۲ء) نے شاہی محلات میں نئی عمارتوں کا اضافہ کیا اور ان کی تزئین وآرائش

مبالغے کی حد تک کی۔اس نے چڑیا گھر کی طرف خاص توجہ مبذول کی (۵۳) نوادر و عجائبات میں ایک دارالشجرہ تھا، جس کے اٹھارہ ٹہنے اور شاخ در شاخ ٹہنیاں تھیں۔ان پر نقرئی یا طلائی پرند اور چڑیاں بیٹھتی تھیں، جو کبھی کبھی سیٹیاں بجاتی تھیں۔حوض کے دونوں طرف شہ سواروں کے پندرہ مجسمے ایک ہی سمت میں حرکت کرتے تھے گویا ایک دوسرے کا تعاقب کر رہے ہوں۔(۵۴)

اس زمانے میں بغداد اپنے انتہائی عروج پر پہنچ گیا شرقی حصہ چوتھی صدی ہجری/دسویں صدی عیسوی میں شماسیہ سے دارالخلافہ تک پانچ میل پھیل گیا تھا۔ بغداد آبادی کے لحاظ سے بین الاقوامی شہر بن گیا تھا۔ یہاں کے باشندوں میں مختلف اقوام، رنگ اور مذاہب کے لوگ موجود تھے جو یہاں تجارت کرنے،فوج میں بھرتی ہونے،بطور غلام یا دیگر روزگاروں کے لیے آتے تھے۔

بغداد میں امراء کے محلے بھی تھے، جیسے الظاہر، الشماسیہ، الماموںیہ اور درب عون اور غریبوں کے بھی، جیسے قطیعۃ الکلاب اور نہر الدجاج۔گھر دو منزلہ ہوتے تھے مگر عوام الناس کے گھر ایک منزلہ ہی تھے۔بغداد کی زندگی کی بڑی خصوصیت مسجدوں اور حماموں کی کثرت تھی۔ مالداروں کے مکانوں میں حمام ہوتے تھے۔ان مکانوں کے عموماً تین حصے ہوتے تھے،جن کے گرد ایک دیوار کھینچ دی جاتی تھی: (۱) زنان خانہ (۲) دیوان خانہ اور (۳) شاگرد پیشہ۔باغوں کی طرف خاص توجہ دی جاتی تھی۔(۵۵)

بغداد ثقافت کا عظیم مرکز تھا۔یہ حنفی اور حنبلی فقہ کا گھر تھا۔اس میں بیت الحکمت قائم ہوا۔جس میں دوسری زبانوں کی علمی کتابوں کے ترجمے بھی ہوتے تھے۔اس مرکز سے باہر بھی ترجمے کیے جاتے تھے۔بغداد کی مسجدیں،خصوصاً جامع المنصور، علوم کے بڑے مراکز تھے۔کتابوں کی دکانوں کی کثیر تعداد سے، جو بعض اوقات ادبی مراکز کا درجہ رکھتی تھیں، ظاہر ہوتا ہے کہ وہاں تہذیب و ثقافت کی سرگرمیاں کس قدر وسیع پیمانے پر جاری تھیں۔اس کے شعراء، مورخین اور فضلاء کی اتنی زیادہ تعداد تھی کہ بیان نہیں کی جا سکتی۔بغداد اپنے عہد کا سب سے بڑا مرکز علم تھا۔طالبان علم وتشنگان دانش اس مرکز معارف و سرچشمہ عرفان کی جانب کشاں کشاں چلے آتے تھے۔بغداد کے چپے چپے پر علماء کے حلقہ ہائے درس قائم اور یہاں کے گوشے گوشے میں فضلاء کے مرکز تعلیم وتعلم موجود تھے۔علم و ادب کا کیا معیار تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ:

> ''ایک طالب علم نے حصول علم کی خاطر بغداد کا سفر کیا۔علم و ادب کی دولت سے مالا مال ہونے کے بعد اس نے واپسی کے لیے سواری کا انتظام کیا۔گھوڑے کا سائیس سفر کے لیے ضروری سامان خریدنے کی غرض سے ایک دکان میں داخل ہوا۔اور یہ طالب علم باہر انتظار کرتا رہا،اسی اثناء میں اس نے دکانداروں کی ایک نہایت خیال آفریں ادبی بحث سنی اور پھر اس طالب علم نے بغداد میں رہنے کا فیصلہ کر لیا کہ ''جس شہر میں علم و ادب کا یہ معیار ہو اسے چھوڑ کر جانا دانشمندی نہیں''۔(۵۶)

خطیب بغدادی کی تاریخ بغداد کو دیکھ کر معلوم ہوسکتا ہے کہ علم کے ایک ایک شعبے میں بغداد سے تعلق رکھنے والے فضلا کی تعداد کتنی زیادہ تھی۔ صرف خلفاء ہی نہیں بلکہ وزراء اور بڑے بڑے عہدے دار سب علم وفضل کی ہر طرح کی قدر افزائی کرتے تھے۔ اسلامی ثقافت کا تخلیقی عہد بغداد کے ساتھ وابستہ ہے۔ اسی عہد میں آگے چل کر عام کتب خانے جو مطالعے اور تعلیم کے مرکز تھے قائم کیے گئے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور ابونصر سابور بن اردشیر کا دارالعلم تھا۔ (۵۷) جب مدارس کا دور شروع ہوا تو بغداد ہی اس میدان میں سب سے آگے تھا۔ جہاں نظامیہ (۵۸) اور مستنصریہ (۵۹) جیسے مدرسے قائم ہوئے اور ان کا اثر تمام مدارس کے طریق درس اور طرز تعمیر پر پڑا۔

تیسری صدی ہجری/نویں صدی عیسوی اور چوتھی صدی ہجری/دسویں صدی عیسوی میں شفا خانوں کی طرف بالخصوص توجہ دی جاتی تھی۔ ان میں بیمارستان سیدۃ (۳۰۶ھ/۹۱۸ء) اور بیمارستان مقتدری (۳۰۶ھ/۹۱۸ء) اور بیمارستان عضدی (۳۷۲ھ/۹۸۲ء) بہت مشہور تھے۔ وزیروں اور دیگر افراد نے بھی شفا خانے تعمیر کیے تھے۔ اطباء کی وقتاً فوقتاً نگرانی کی جاتی تھی۔ (۶۰)

امین (۱۹۳ھ/۸۰۹ء تا ۱۹۸ھ/۸۱۳ء) کے زمانے تک بغداد کی زندگی میں استحکام واثبات رہا۔ پہلے محاصرے کے زمانے میں عامۃ الناس میں شورش پسند عناصر کا ظہور ہوا۔ تیسری صدی ہجری/نویں صدی عیسوی کے آخری ربع سے سیلاب اور آتشزدگی نے بھی تباہی میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ خصوصاً امیرالامراء کے زمانے (۳۲۴ھ/۹۳۵ء تا ۳۳۴ھ/۹۴۵ء) میں نہروں کی طرف سے بے پروائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ قحط اور طاعون جو ۳۲۰ھ/۹۳۲ء سے پہلے کبھی کبھار کی بات تھی اس کے بعد متواتر آنے لگے۔ (۶۱) اس طرح اہل بغداد کی زندگی اجیرن ہوگئی۔

آل بویہ (۶۲) کا زمانہ بغداد کے لیے خاصا سخت تھا۔ معز الدولہ (۳۳۵ھ/۹۴۶ء) نے پہلے کچھ شہروں کی مرمت کرائی، جس سے معیشت نسبتاً بہتر ہوگئی۔ اس کے بعد غفلت اور بے پروائی کا زمانہ شروع ہوا بہت سی نہریں، جن سے مغربی بغداد میں آب رسانی ہوتی تھی، تباہ ہوگئیں۔ ۳۶۷ھ/۹۷۷ء تا ۳۷۲ھ/۹۸۲ء میں عضد الدولہ نے ان کو صاف کرایا اور پل اور قلابے دوبارہ تعمیر کرائے (۶۳) اس کے بعد ایسے کسی کام کی پھر کوئی خبر نہیں ملتی۔

بغداد کو عوام کی شورشوں سے، فرقوں کے باہمی اختلافات سے اور ''عیاروں'' سے بہت نقصان پہنچا۔ آل بویہ کے دور میں فرقہ وارانہ فسادات بڑھ گئے۔ جن کی وجہ سے جان و مال کا زیادہ نقصان ہوا۔ (۶۴) اس زمانے میں جو ۳۳۸ھ/۹۴۹ء سے شروع ہوتا ہے۔ سنی اور شیعہ کے جھگڑے روزمرہ کے واقعات بن گئے تھے۔

عیاروں نے نسبتاً زیادہ نقصان پہنچایا اور ابتری پھیلائی، چنانچہ وہ چوتھی صدی ہجری/دسویں صدی عیسوی کے آخری ربع سے لے کر اس دور کے اختتام تک خصوصیت سے ہنگامہ برپا کرتے رہے۔ (۶۵) البتہ ان کے کچھ اخلاقی اصول تھے، جیسے ناداروں اور عورتوں کا احترام اور مدد، باہم تعاون، صبر اور تحمل۔ (۶۶) دراصل ان کی تحریک ان کی زبوں حالی کی زندگی اور سیاسی ابتری سے پیدا ہوئی۔ 'عیاروں' کے ہاتھوں لوگوں کو اپنی جان اور مال کا ہر وقت خطرہ رہتا تھا۔ وہ منڈیوں اور

سڑکوں پر چلنے کا محصول وصول کرتے یا راہ گیروں کو لوٹتے اور راتوں کو گھروں میں گھس کر لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔ انہوں نے تلوار اور آگ کے ذریعے تباہی پھیلائی اور بہت سے محلے اور بازار، خاص طور پر باب الطاق اور سوق یحییٰ اور کرخ جلا دیے، کیونکہ یہی دولت مندوں کے محلے تھے۔

'برجمی' عیاروں کا ایک مشہور سردار تھا، جس نے چار سال تک (۴۲۲ھ/۱۰۳۰ء تا ۴۲۵ھ/۱۰۳۳ء) بغداد پر عملاً حکمرانی کی اور ابتری پھیلا دی۔ (۶۷) حکومت بے بس تھی اور ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی۔ (۶۸) اور انہیں محصول اور تاوان وصول کرنے کی چھٹی دے دی تھی کہ لوگ ادا کر کے ان کی مار دھاڑ سے بچیں (۶۹) بہت سے لوگ ان سے محفوظ رہنے کے لیے مکان اور محلے چھوڑ کر چلے گئے (۷۰) ان کی دہشت انگیزی سلجوقیوں کے آنے تک برابر قائم رہی۔

۴۴۷ھ/۱۰۵۵ء میں طغرل بیگ (۷۱) بغداد میں داخل ہوا۔ سلجوقیوں نے آل بویہ کے برعکس حکمت عملی اختیار کی اور سنیوں کی حوصلہ افزائی کی۔ ۴۵۰ھ/۱۰۵۸ء میں بساسیری (۷۲) نے بغداد پر فاطمیوں کے نام سے قبضہ کر لیا۔ ۴۵۱ھ/۱۰۵۹ء میں سلجوقی افواج نے اسے شکست دی۔ اور مار ڈالا۔ (۷۳) ۴۴۸ھ/۱۰۵۶ء میں طغرل بیگ نے دارالامارۃ کا رقبہ وسیع کیا۔ بہت سی دکانوں اور مکانوں کو ڈھا کر دارالامارۃ کو نئے سرے سے تعمیر کیا اور اس کے گرد فصیل کھینچ دی۔ (۷۴) مگر ۴۵۰ھ/ ۱۰۵۸ء میں آگ لگی اور یہ جل کر تباہ ہو گیا۔ بعدازاں اسے نئے سرے سے تعمیر کیا گیا (۷۵) اور اس کا نام دار الملکۃ پڑ گیا۔ ۴۸۴ھ/ ۱۰۹۱ء میں ملک شاہ (۷۶) نے مسجد مخرم کو، جو قصر کے قریب تھی، بہت کچھ بڑھا کر نئے سرے سے تعمیر کیا۔ اور اس وقت سے اس کا نام جامع السلطان ہو گیا۔ مقتدی (۴۶۷ھ/۱۰۷۴ء تا ۴۸۷ھ/۱۰۹۴ء) عمارتیں بنانے کی ترغیب دیتا تھا۔ اس لیے محلات کے اردگرد کے محلوں، جیسے بصلیہ، قطیعہ، حلبہ، اجمہ وغیرہ وغیرہ پُر رونق تھے۔ (۷۷) ان محلوں کے گرد فصیل نہ تھی، اس لیے ۱۰۷۰ء کے سیلاب سے ان کو بہت نقصان پہنچا۔ ۴۸۸ھ/۱۰۹۵ء میں مستظہر نے ''حریم'' نام کے محلوں کے گرد دیوار تعمیر کر دی۔ اس کے بعد ۵۱۷ھ/۱۱۲۳ء میں مسترشد باللہ نے اسے دوبارہ تعمیر کیا۔ ۵۵۴ھ/۱۱۵۹ء کے سیلاب نے اس دیوار کو گھیر لیا اور اس میں ایک جگہ شگاف ڈال کر بہت سے محلوں کو تباہ کر دیا۔ اس شگاف کو بعد میں بند کر کے وہاں ایک پشتہ بنانا شروع کیا گیا، جو بعد میں ساری دیوار کے گرد مکمل کر دیا گیا۔ (۷۸) اس دیوار کو از سرنو تعمیر کرنے کے اقدامات ناصر اور مستنصر کے عہد میں بھی ہوئے۔ اس دیوار نے مشرقی بغداد کی حدود متعین کر دیں جو عہد عثمانی کے آخر تک قائم رہیں۔ (۷۹)

ابن جبیر (۸۰) نے بغداد کا سفر ۵۸۱ھ/۱۱۸۵ء میں کیا۔ وہ لکھتا ہے:

> ''ہم سنا کرتے تھے کہ بغداد کی ہوا نفس میں سرور اور قلب میں انبساط پیدا کرتی ہے جو مسافر یا غریب الوطن وہاں پہنچتا ہے اس کے دماغ میں سوائے جوش طرب کے اور کوئی خیال نہیں رہتا۔ اس کی آج ہمیں تصدیق ہوئی۔ جوں ہی ہم اس آبادی میں جو بغداد سے ایک منزل دور ہے داخل ہوئے اور یہاں کی سبک ہوا اور ٹھنڈے پانی سے سوزش تشنگی کو بجھایا تو باوجود زحمت مسافرت اپنی

طبیعتوں میں ایسے سامان طرب مہیا پائے۔ جیسے کسی غربت زدہ کوسفر دور دراز سے اپنے وطن میں پہنچ کر حاصل ہو سکتے ہیں۔ جوش طرب نے دل کو ایسا گدگدایا کہ ایام جوانی کے جلسے اور احباب کی صحبتوں کا سماں یاد آ گیا جب ایک مسافر غریب الوطن کا یہ حال ہے تو یہاں کے باشندوں کا کیا حال ہوگا جو اپنے اہل وعیال کی ملاقات کے مشتاق ہیں۔

ب　سقی اللہ باب الطاق صوب غمامة ورد الی الا وطان کل غریب"

ترجمہ: اللہ تعالیٰ باب الطاق کو ہمیشہ ابر کرم سے سیراب رکھے اور ہر مسافر کو اپنے وطن میں پہنچائے۔ (۸۱)

اس نے شہر کے عام انحطاط کا مشاہدہ کیا وہ بغداد کے حالات کے ضمن میں لکھتا ہے:

"اس شہر کی آبادی بہت قدیم ہے۔ مگر کثرت حوادث نے تباہ کر رکھا ہے۔ اگر خلفائے عباسیہ کا دار الخلافہ نہ ہوتا تو اب تک بجز نام کے نشان بھی باقی نہ رہتا۔ حوادث سے قبل یہاں کی رونق قابل دید تھی اور اس کا ثبوت منہدم عمارتیں زبان حال سے دے رہی ہیں مگر اب اس کی ایسی حالت نہیں ہے کہ کسی مقام پر متعجبانہ نظر ڈالی جائے یا کوئی چیز انسان کی توجہ کو اپنی طرف مائل کرے۔ البتہ دریائے دجلہ جو شرقی اور غربی بغداد کے بیچ میں جاری ہے ہزاروں حسن پیدا کرتا ہے۔ دریا نہیں بلکہ چوکھٹے میں آئینہ لگا ہوا ہے یا کسی کے حسین گلے میں موتیوں کا ہار پڑا ہوا ہے۔ یہ دریا اس شہر کو تر وتازہ رکھتا ہے۔ شہر میں سے دریا صاف آئینہ کی طرح نظر آتا ہے۔ اس کی آب وہوا سے نشاط پیدا ہوتی ہے۔" (۸۲)

یہ شہر دجلہ کے دونوں طرف شرقی اور غربی حصہ میں آباد ہے۔ غربی حصہ اکثر خراب اور بے رونق ہے۔ ویرانی نے اس پر دست تصرف دراز کیا ہے۔ اس سے پہلے بہت آباد تھا۔ شرقی حصہ کسی قدر بارونق اور جدید العمارت ہے۔ اس حصہ (شرقی) میں سترہ محلے آباد ہیں۔ اور ہر محلّہ بجائے خود ایک شہر ہے۔ (۸۳) سب سے بڑا محلّہ قرافہ ہے۔ دوسرا محلّہ کرخ ہے۔ شہر کی طرح اس محلّہ کی چار دیواری ہے۔ اس کے بعد محلّہ باب البصرہ ہے۔ اس کی چار دیواری بھی پختہ ہے۔ اور اسی محلّہ میں منصور کی جامع مسجد ہے۔ مسجد نہایت نفیس اور عالیشان ہے۔ چوتھا محلّہ شارع ہے۔ یہ بھی ایک شہر کی طرح آباد ہے۔ یہ چاروں محلے بہت آباد اور معمور ہیں۔ باب البصرہ اور شارع کے درمیان سوق المارستان ایک چھوٹا سا محلّہ ہے۔ اسی محلّہ میں بغداد کا مشہور شفاخانہ ہے۔ شفاخانے کی بہت عالی شان عمارت دجلہ کے کنارے ہے۔ اس کے اندر بہت کثرت سے خوبصورت مکانات ہیں۔ تمام شاہانہ آرائش کا سامان موجود ہے۔ اس میں دجلہ سے پانی آتا ہے۔ ہر جمعرات اور پیر کو طبیب بیماروں کی حالت ملاحظہ کرنے آتے ہیں اور ہر شخص کے مناسب حال دوا اور غذا تجویز کرتے ہیں خدام کھانا پکانے اور دوا بنانے پر مامور ہیں اور طبیب کی ہدایت کے موافق ہر شخص کو دوا اور غذا پہنچاتے ہیں۔ ان محلوں میں سے ایک کا نام وسط ہے۔ اور یہ محلّہ دجلہ اور فرات کی ایک شاخ کے درمیان میں واقع ہے۔ فرات کی شاخ دجلہ میں گرتی ہے۔ اور اس کے ذریعہ سے فرات کے اطراف کا تجارتی مال یہاں آتا ہے۔ فرات کی دوسری شاخ باب البصرہ سے

گزرتی ہوئی دجلہ میں ملتی ہے۔ ایک محلّہ کا نام عتابیہ ہے اس میں عتابیہ کپڑا جو ریشم اور مختلف الالوان سوت سے بنا جاتا ہے تیار ہوتا ہے۔ سب سے آخر میں محلّہ حربیہ ہے۔ اس کے آگے سوائے بغداد کے دیہات کے اور کوئی آبادی نہیں ہے۔ (۸۴) شہر کے غربی حصے میں نخلستان اور باغات ہیں ہر قسم کا میوہ یہاں سے شرقی حصے میں جاتا ہے۔ آج کل شرقی حصہ کو بڑا شرف ہے کہ اس میں دارالخلافہ اور خلیفہ (۸۵) کا محل ہے۔ (۸۶)

یہ شرقی حصہ نہایت آباد۔ خوش قطع اور بارونق ہے۔ بازار نہایت وسیع ہیں۔ بے شمار باشندے ہیں۔ اس حصہ میں تین جامع مساجد ہیں اور تینوں میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے۔ خلیفہ کی جامع مسجد محل خلافت کے قریب ہے۔ یہ مسجد بہت عالیشان ہے۔ پانی کے حوض وغیرہ بہت وسیع ہیں۔ بیرون شہر ایک مسجد جامع سلطانی مشہور ہے۔ (۸۷)

تمام شہر میں گیارہ جامع مساجد ہیں۔ باقی مساجد شمار اور حساب سے باہر ہیں۔ اسی طرح شہر کے حماموں کی تعداد کا بھی تعین نہیں ہے۔ شہر کے ایک بزرگ کا بیان ہے کہ شرقی وغربی دونوں حصوں میں دو ہزار کے قریب حمام ہیں۔ (۸۸)

شہر کے حصہ شرقیہ کے چار دروازے ہیں۔ پہلا دروازہ دجلہ کے اوپر کے کنارے پر ہے اس کا نام باب السلطان ہے۔ دوسرے کا باب الصفریہ۔ تیسرے کا باب الحلیہ اور چوتھے کا باب البصلیہ نام ہے۔ یہ چاروں دروازے شہر کی چار دیواری میں نصب ہیں۔ چار دیواری دجلہ کے شرقی کنارے پر اوپر کے حصہ سے شروع ہو کر نیچے کے حصہ پر ختم ہوتی ہے اور نصف دائرے کی سی صورت پیدا کرتی ہے۔ شہر کے اندر بازاروں کے متعلق اور بہت سے دروازے ہیں۔ غرض کہ یہ شہر اس قدر وسیع اور معمور ہے کہ اس کی تعریف احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔ حالانکہ اب پہلی سی رونق نہیں ہے۔ بلکہ اس وقت تو اس کا حال حبیب کے اس قول کے موافق ہے:

لا انت انت ولا الدیار دیار

''نہ تم تم ہو اور نہ مکان مکان ہیں'' (۸۹)

ابنِ بطوطہ (۹۰) جس نے ۷۲۷ھ/۱۳۲۷ء میں بغداد کا سفر کیا وہ لکھتا ہے:

''بغداد۔ دار السلام پایہ تختِ اسلام قدرِ شریف اور فضلِ منیف کا حامل۔ سلف کا مسکن اور علماء کا مرکز ہے۔'' (۹۱)

بغداد کی شرقی جہت میں بہت سے نہایت اچھی ترتیب کے بازار ہیں ان میں سب سے بڑے بازار کا نام ''سوق الثلاثاء'' ہے۔ اس میں صناعہ علیحدہ علیحدہ ہے۔ اس بازار کے وسط میں مدرسۃ النظامیہ ہے۔ یہ ایسا عجیب ہے کہ اپنی خوبی کی وجہ سے ضرب المثل بن گیا ہے۔ (۹۲)

سلجوقی عہد میں عیاروں نے خاصی سرگرمیاں دکھائیں۔ انہوں نے دکانیں لوٹیں، گھر تاراج کیے اور بدامنی پھیلائی۔ (۹۳) ادھر عامہ (یعنی عوامی بلوائیوں) کے فسادات اور ان کی فرقہ وارانہ جنگ وجدال (حنبلی وشافعی، سنی اور شیعہ کے درمیان) جاری رہے، جن کی وجہ سے بہت خونریزیاں ہوئیں اور تباہیاں پھیلیں۔ ۵۰۲ھ/۱۱۰۸ء میں ان کے

درمیان عارضی مفاہمت ہوگئی۔(۹۴) یہ مصالحت تھوڑے ہی دن رہی۔جھگڑے اور لڑائیاں چلتی رہیں۔عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کے زمانے میں انہوں نے خوفناک شکل اختیار کر لی۔(۹۵) ۱۲۵۵ء کے قریب تک حالات بہت زیادہ دگرگوں ہو چکے تھے۔حکومت اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ نظم وضبط قائم رکھنا اس کے بس کی بات نہ تھی۔سیلاب بار بار آنے لگے جو حکومت کی بدانتظامی اور آب پاشی کے ذرائع کی طرف سے غفلت پر دلالت کرتے تھے(۹۶) اسی طرح گویا قدرتی حوادث اور انسانی دونوں نے بغداد کی رونق کو مٹانے کے لیے ایکا کر لیا تھا۔

سقوطِ بغداد:

۴/صفر ۶۵۶ھ/۱۰ فروری ۱۲۵۸ء کو بغداد پر ہلاکو خان کی سرکردگی میں تاتاریوں نے حملہ کیا(۹۷) اور دنیائے اسلام کے دارالخلافہ اور اپنے عہد کے سب سے بڑے علمی مرکز اور متمدن شہر اور مسلمانوں کی چھ سو سالہ سطوت کو پاؤں تلے روند کر رکھ دیا۔عباسی خلیفہ مستعصم نے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیے۔بغداد کے باشندے ایک ہفتے سے زیادہ تک بے دریغ قتل کیے جاتے رہے۔تاتاری شہر پر جھپٹ پڑے اور انہوں نے مردوں،عورتوں،بچوں،بوڑھوں،ادھیڑ عمر لوگوں اور جوانوں میں سے جن پر بھی قابو پایا،ان سب کو قتل کر دیا۔چالیس روز تک قتلِ عام ہوتا رہا۔بہت سے لوگ کنوؤں اور کھجوروں کے جھنڈوں اور گڑھوں میں داخل ہو گئے اور اس طرح کئی روز تک باہر نکلے بغیر چھپے رہے۔(۹۸)

دیہات کے جو لوگ محاصرے سے پہلے بغداد میں ایک بڑی تعداد میں آ کر اکھٹے ہو گئے تھے،ان کا بھی یہی المناک حشر ہوا۔مقتولوں کا اندازہ بعض آٹھ لاکھ اور بعض ایک کروڑ آٹھ لاکھ تک بیان کرتے ہیں۔(۹۹)

بہت سے محلے محاصرے،لوٹ مار یا آگ سے تباہ ہوئے۔اور بغداد تمام شہروں سے قابل دید شہر ہونے کے بعد ویران ہو گیا اور اس میں سے صرف تھوڑے لوگ باقی رہ گئے اور وہ بھی خوف،بھوک اور ذلت کی حالت میں تھے۔(۱۰۰) بغداد کی تباہی اور مسلمانوں کے قتل عام کی تفصیل بہت طویل اور دردناک ہے۔بغداد عالم اسلام کا سب سے بڑا شہر،علوم وفنون کا مرکز،ہزارہا علماء وصلحاء کا مسکن اور دارالخلافہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کی آبرو تھا۔اس کی بربادی نے تمام حساس مسلمانوں کو تڑپا دیا۔شیخ سعدی نے جو نظامیہ بغداد کے طالب علم رہ چکے تھے اور اس کی رونقیں دیکھے ہوئے تھے،ایک دل دوز مرثیہ کہا،جس میں اس وقت کے مسلمانوں کے زخمی دلوں کی ترجمانی ہے۔آخر میں اس کے چند اشعار نقل کیے جاتے ہیں:

آسمان را حق بود گر خون بگرید بر زمین
بر زوال ملک مستعصم امیرالمومنین
ای محمد ﷺ گر قیامت می برآری سر ز خاک
سر برآور وین قیامت درمیان خلق بین

نــازنیــنــان حــرم را خــون خــلـق بــی دریـغ
زآستـان بـگـذشـت و مـا را خـون چشـم از آستیـن
زیـــنهـــار از دور گیتـــی، و انـــقـلاب روزگـــار
در خیـال کـس نیـامـد کـانـچنـان گـردد چـنیـن
دیـده بـردار ای کــه دیدی شـوکـت بـاب الـحرم
قیـصـران روم سـر بـر خـاک و خـاقـانـان چیـن
خـون فـرزنـدان عـمّ مـصـطـفـی شـد ریـختـه
ہم بـر آن خـاکـی کـه سـلطـانـان نهادندی جبین
دجـلـه خـونـابست ازیـن پـس گر نهد سر در نشیب
خـاک نـخـلستـان بـطـحـا را کـنـد در خـون عـجیـن
روی دریـا درهـم آمـد زیـن حـدیـث هـولـنـاک
میتـوان دانســت بــر رویــش ز مـوج افتـاده چیـن
نـوحـه لایـق نیسـت بـر خاک شهیدان زانکه هست
کـمتـریـن دولـت ایشـان را بهشـت بـرتـریـن
لیـکـن از روی مسـلـمـانـی و کـوی مـرحـمـت
مـهـربـــان را دل بســوزد بــر فـراق نــازنیـن (۱۰۱)

مراجع وحواشی

۱۔ حضرت عمرؓ بن خطاب کے دورِ خلافت میں عراق فتح ہوا۔اس کے بعد یہاں دو اہم شہر بسائے گئے، پہلا بصرہ تھا، دوسرا شہر کوفہ تھا جس کی بنیاد حضرت عمرؓ کے حکم پر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے ۱۷ھ/۶۳۸ء میں رکھی تھی۔یہ شہر دریائے فرات کے مغربی کنارے پر آباد کیا گیا تھا تا کہ دارالخلافہ مدینہ منورہ تک نقل وحمل میں طبعی رکاوٹیں اثر انداز نہ ہوسکیں۔اس شہر کو بسانے کا خاص مقصد یہ تھا کہ عربوں کو ایک مضبوط اور مستحکم چھاؤنی (جند) حاصل ہوسکے اور نئے مفتوحہ علاقوں کے لوگوں کو بآسانی قابو میں رکھا جاسکے۔(''کوفہ'' کے بارے میں مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے: نگار سجاد ظہیر، ''عرب اور موالی''، مطبوعہ قرطاس، کراچی، اشاعت اول، ۲۰۰۶ء، ص ۱۴۵ تا ۱۴۷)

۲۔ ساسانی بادشاہوں کے زمانے میں یہ جگہ اسباب کے گودام کے طور پر استعمال ہوتی تھی اسی لیے اس جگہ کا نام ''انبار'' پڑ گیا تھا۔

۳۔ الجوہر، ڈاکٹر عبدالجبار، ''ہارون الرشید''، مترجم: سید رئیس احمد جعفری، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص ۶۶

۴۔ ایضاً ۵۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانشگاہ پنجاب، لاہور، طبع اول، ۱۹۶۹ء، ج ۴، ص ۶۳۸

۶۔ سامرا: سُرَّ مَنْ رائی یعنی جس نے دیکھا خوش ہوا۔ ۷۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۴، ص ۶۳۸

۸۔ ایضاً ۹۔ ایضاً،ص ۶۳۹ ۱۰۔ ایضاً ۱۱۔ ایضاً
۱۲۔ طبری،تاریخ طبری،اردو ترجمہ:سید محمد ابراہیم ندوی،دارالاشاعت کراچی،۲۰۰۳ء،ص ۶۳۵
۱۳۔ P. K. Hitti, History of the Arabs, London,1970, p.292
۱۴۔ قرآن کریم میں جنت کے لیے دارالسلام کے الفاظ آئے ہیں۔دیکھیے :الانعام:۱۲۷،یونس:۲۵
۱۵۔ یعقوبی،کتاب البلدان،مطبعۃ السعادۃ،قاہرہ،۱۳۴۴ھ،ص ۵۴ ۱۶۔ طبری۔ج ۵،ص ۶۳۷۔۶۳۶
۱۷۔ P. K. Hitti, History of the Arabs, p.301 ۱۸۔ یعقوبی،کتاب البلدان،ص ۲۳۸
۱۹۔ ایضاً،ص ۲۴۱ ۲۰۔ طبری،ج ۵،ص ۶۶۹ ۲۱۔ ایضاً
۲۲۔ ایضاً،ص ۶۹۰ ۲۳۔ ایضاً ۲۴۔ ایضاً ۲۵۔ طبری،ج ۳،ص ۳۷۹
۲۶۔ اس میں وہ لوگ قید رکھے جاتے تھے جو بارگاہ خلافت کے معتوب ہوتے تھے،لیکن معتوب ہونے سے پہلے ان کا شمار خلیفہ کے ندیموں اور حکومت کے کبار رجال میں ہوتا تھا۔ ۲۷۔ یعقوبی،کتاب البلدان،مطبعۃ السعادۃ،قاہرہ،۱۳۴۴ھ،ص ۳۶
۲۸۔ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی،تاریخ بغداد،مکتبہ الخانجی بالقاہرہ،۱۹۳۱ء،ج اول،ص ۸۴۔۸۹
۲۹۔ مثلاً میوے کا بازار، کپڑے کا بازار، کتب فروشوں کا بازار(جس میں سو سے زیادہ دکانیں تھیں) صرافہ اور کرخ میں دوا فروشوں (عطاریں) کی منڈی،غیر ملکی سوداگروں کے بازار باب الشام میں تھے۔شہر کے مشرقی حصے میں بھی مختلف قسم کے بازار تھے۔ان میں پھولوں کا بازار(سوق الطیب)،کھانے کا بازار،سناروں کا بازار،بکر منڈی،کتب فروشوں کا بازار اور چین سے درآمد شدہ اشیاء کا بازار شامل تھے۔(الخطیب،ج ۱،ص ۲۲) ۳۰۔ کتاب البلدان،ص ۲۸۲ ۳۱۔ الخطیب،ج ۱،ذکر بغداد
۳۲۔ ابوالحسن احمد بن یحیٰی بن جابر البلاذری،فتوح البلدان،دارالکتب العلمیہ،بیروت،۱۴۲۰ھ/۲۰۰۰ء،ص ۱۷۸
۳۳۔ یعقوبی:کتاب البلدان،ص ۲۵۱۔۲۵۳ ۳۴۔ الخطیب،ج اول،ذکر بغداد
۳۵۔ P. K. Hitti, History of the Arabs, P 413
۳۶۔ Nicholson, A Literary History of the Arabs, Cambridge University Press, 1962. p.261
۳۷۔ مروج الذہب ومعادن الجواہر(حصہ سوم)،ابوالحسین بن حسین بن علی المسعودی،اردو ترجمہ:اختر فتح پوری،نفیس اکیڈمی،کراچی،۱۹۸۵ء،ص ۴۸۱
۳۸۔ طاہر بن حسین،مامون کا نامور سپہ سالار تھا،جس نے رے کے قریب پہلے ہی معرکے میں علی بن عیسیٰ کو شکست دے کر قتل کر دیا تھا۔
۳۹۔ طبری،ج ۴،ص ۲۰۱ ۴۰۔ مسعودی،حصہ سوم،ص ۴۸۰
۴۱۔ اصفہانی،ابوالفرج،کتاب الاغانی،ج ۸،ص ۱۱۹ ۴۲۔ مسعودی،ج ۷،ص ۱۴۲ ۴۳۔ یعقوبی،ج ۲،ص ۲۰۸
۴۴۔ قطیعہ:معافی کی زمین،وہ زمین جو حکومت کسی کو عطا کرے اور اس پر خراج اور غلہ کی قسم سے کچھ نہ لے،وہ زمین جو معافی کی زمینوں میں سے ہو اور اسکی حد بندی کر دی جائے۔ ۴۵۔ طبری،ج ۶،ص ۲۰۲ ۴۶۔ ایضاً
۴۷۔ الحرم کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہاں مخرم بن شریح بن حزن المارقی،حضرت عمر بن خطابؓ کے دور میں اترا تھا۔(فتوح البلدان ص ۱۷۹)
۴۸۔ مامون نے اپنا محل حسن بن سہیل کو عطا کیا تھا جو آگے چل کر قصر الحسنی کے نام سے مشہور ہوا۔اس نے یہ محل بروئے وصیت اپنی دختر بوران کو دے دیا تھا۔ ۴۹۔ الخطیب،ج ۱،ص ۹۹ ۵۰۔ ایضاً،ص ۵۲ ۵۱۔ ایضاً
۵۲۔ ایضاً ۵۳۔ ایضاً ۵۴۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے۔الخطیب،سال ۹۱۷۔۹۱۸ء کے واقعات
۵۵۔ اصفہانی:ج ۲،ص ۳۷ ۵۶۔ سبکی،طبقات الشافعیۃ الکبریٰ،ج ۲،ص ۱۶۸
۵۷۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ،ج ۴،ص ۶۵۱۔۶۵۲

۵۸۔ نظامیہ: نظام الملک طوسی نے ۴۵۷ھ/۱۰۶۷ء میں اس درسگاہ کی تعمیر کا آغاز کیا۔ دو سال بعد جب اس کی عمارت مکمل ہوئی تو بہت تزک واحتشام کے ساتھ اس کا افتتاح ہوا۔ یہ بغداد کی مرکزی درسگاہ تھی اسلامی درسگاہوں میں اسے شہرتِ دوام حاصل ہوئی۔

۵۹۔ مستنصریہ: عباسی خلیفہ مستنصر باللہ نے ۶۲۵ھ میں قصرِ خلافت کے متصل دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر ایک عالیشان عمارت کی بنیاد رکھی۔ چھ سال کی مدت میں یہ عمارت تعمیر ہوئی اور ۶۳۱ھ میں اس کا افتتاح ہوا۔

۶۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۴، ص ۶۵۲

۶۱۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، (جلد خامس)، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۶ء ص ۲۲۲۔ نیز ص ۲۳۲، ۲۴۰، ۲۴۷

۶۲۔ یہ تین بھائی تھے (۱) عمادالدولہ ابوالحسن علی (۲) رکن الدولہ ابوعلی الحسن (۳) معزالدولہ ابوالحسین احمد ان کے والد کا نام ابوشجاع بویہ بن قبا خسرو تھا۔ ان لوگوں کو دیالمہ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے دیلم کی مجاورت کی تھی۔ (البدایہ والنہایہ۔ ج ۱۱، ص ۴۱۸)

۶۳۔ ابن اثیر، ج ۵، ص ۴۳۷

۶۴۔ آل بویہ نے ۱۰ محرم کو عام ماتم کا دن قرار دیا اور حکم دیا کہ اس روز بازار بند رہیں۔ لوگوں کو جلوس نکالنے کی ترغیب دی، جس میں عورتیں منہ پیٹتی جاتی تھیں۔ علاوہ ازیں ۱۸/ذی الحجہ (یوم غدیر) کو عید کا دن بنایا گیا۔ اس کے مقابلے میں سنیوں نے دو دن الگ مقرر کیے جو شیعوں کے مندرجہ بالا تہواروں کے علی الترتیب آٹھ آٹھ دن بعد منائے جاتے تھے۔ (ابن اثیر، ج ۹، ص ۱۱۰)

۶۵۔ بغداد کے دو محاصروں کے زمانے میں ''عیاروں'' نے جو کام کیے اس کے لیے دیکھیے۔ طبری، ج ۳، ص ۸۷۷

۶۶۔ عبدالرحمٰن ابن جوزی، تلبیس ابلیس، اردو ترجمہ: ابومحمد عبدالحق، نور محمد اصح المطابع، کراچی، ت ن، ص ۴۵۳۔۴۵۲

۶۷۔ عبدالرحمٰن ابن جوزی، المنتظم فی تاریخ الملوک والامم، (الجزء الثامن)، مطبعۃ دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن المطبعۃ الاولی، ۱۳۵۹ھ۔ ص ۵۴　۶۸۔ ایضاً ص ۵۵　۶۹۔ ایضاً ص ۶۲　۷۰۔ ایضاً ص ۶۲

۷۱۔ خاندان سلجوقیہ کا بانی رکن الدین ابوطالب طغرل بن میکائیل بن سلجوق مستقلاً ۴۳۰ھ میں حکمران ہوا۔ چوبیس سال سے زائد حکومت کی۔ ۴۵۵ھ میں انتقال ہوا۔ مرو میں سپرد خاک ہوا۔ (صدر الدین الحسینی، اخبار الدولۃ السلجوقیہ۔ مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۳۳ء، ص ۲۲۔۲۳)

۷۲۔ بساسیری، بہاؤالدولہ کے غلاموں میں سے تھا۔ سب سے پہلے یہ بسا شہر کے ایک آدمی کا غلام تھا۔ اسی کی طرف منسوب ہوا اور اسے بساسیری کہا جانے لگا۔ اس نے ملک مظفر کا لقب پایا اور خلیفہ قائم بامراللہ کے ہاں بڑی حیثیت حاصل کر لی۔ پھر اس نے تمرد اور سرکشی اختیار کی اور مسلمانوں اور خلیفہ کے خلاف بغاوت کر دی اور فاطمیوں کی طرف دعوت دینے لگا۔ ۴۵۱ھ میں سلطان طغرل بیگ کے ہاتھوں اس کا قتل ہوا۔ (البدایہ والنہایہ، ج ۱۱، ص ۱۸۹۔۱۸۸)

۷۳۔ اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، ج ۴، ص ۶۵۶　۷۴۔ ابنِ جوزی، المنتظم، ج ۷، ص ۱۶۹　۷۵۔ ایضاً ص ۲۷۸

۷۶۔ عضد الدولہ ملک شاہ سلجوقی اپنے والد سلطان الپ ارسلان کی وفات کے بعد ۴۵۲ھ میں مرو میں تخت نشین ہوا۔ سات سال سے کچھ زائد عرصہ حکومت کی۔ ۴۱ سال کی عمر میں وفات پائی اور ری میں دفن ہوا۔ (البدایہ والنہایہ، ج ۱۲، ص ۲۲۹)

۷۷۔ ابن الاثیر، ج ۶، ص ۴۴۳　۷۸۔ ابنِ جوزی، المنتظم، ج ۷، ص ۳۴　۷۹۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۴، ص ۶۵۷

۸۰۔ ابن جبیر کا نام محمد اور کنیت ابوالحسین ہے۔ مقریزی کے قول کے مطابق ابن جبیر کی ولادت ۱۰/ربیع الاول ۵۴۰ھ میں بمقام بلنسیہ ہوئی۔ ابن جبیر الکنانی نے غرناطہ اپنے وطن مالوف سے ۵۷۸ھ میں سفر کا آغاز کیا اور تیس دن میں اسکندریہ پہنچا۔ پھر شام، عراق اور جزائر کا سفر کرتے ہوئے ۵۸۱ھ میں واپس اندلس آیا۔ اس سفر میں اس نے تاریخ و آثار قدیمہ، جغرافیہ اور ممالک کی سیاست وتمدن کا تفصیلی جائزہ لیا اپنے مشاہدات اور مطالعے کا حال لکھا۔ مصر، مسجد اقصیٰ اور دوسرے مقامات کے عجائب وغرائب کی داستان بیان کی اور

حالات پر تنقید کی۔ دوبارہ پھر ۵۸۵ھ میں سفر کیا اس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھ سے بیت المقدس فتح ہو چکا تھا۔ یہ سفر ۵۸۷ھ تک جاری رہا۔ تیسری مرتبہ سبتہ سے مکہ معظّمہ اور بیت المقدس کا پھر سفر کیا۔ ابن بطوطہ نے بھی اپنے سفر نامہ میں ابن جبیر کے اس سفر نامہ سے کئی ممالک کا حال حوالے کے ساتھ نقل کیا ہے۔ ۶۱۴ھ/۱۲۱۸ء میں ابن جبیر کا انتقال ہوا۔

۸۱۔ ابن جبیر، رحلۃ ابن جبیر، اردو ترجمہ: رئیس احمد جعفری، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع اول، ۱۹۶۱ء، ص ۱۴۶

۸۲۔ ایضاً ص ۱۴۲　　۸۳۔ ایضاً ص ۱۵۲　　۸۴۔ ایضاً ص ۱۵۳

۸۵۔ یہ عباسی خلیفہ ابو العباس احمد الناصر الدین اللہ (۵۷۵ھ/۱۱۸۰ء تا ۶۲۲ھ/۱۲۲۵ء) کا عہد تھا۔

۸۶۔ ابنِ جبیر، رحلۃ ابن جبیر، ص ۱۵۴　　۸۷۔ ایضاً ص ۱۵۵　　۸۸۔ ایضاً ص ۱۵۶　　۸۹۔ ایضاً ص ۱۵۶۔۱۵۷

۹۰۔ ابن بطوطہ مغرب اقصیٰ کا رہنے والا تھا۔ ۱۷ر رجب ۷۰۳ھ کو طنجہ میں پیدا ہوا۔ علوم اسلامیہ کی اس نے باقاعدہ تعلیم حاصل کی تھی۔ خاص طور پر فقہ، تفسیر اور حدیث کے علوم میں اسے اچھی دستگاہ حاصل تھی۔ وہ امام مالک کی فقہ پر عامل تھا۔ تصوف آشنا بھی تھا، اہل اللہ کی محبت بھی اٹھائی تھی، دوران سیاحت کئی مقامات پر متعدد مرتبہ منصب قضا پر فائز ہوا اور جرأت و بیباکی کے ساتھ احکام شرعیہ کا نفاذ کیا۔ یہ سفر نامہ، ابن بطوطہ نے اپنی مادری زبان یعنی عربی میں تحریر کیا، دوران سفر وہ یادداشتیں مرتب کرتا رہا، ۲۵ سال کے بعد وطن پہنچا اور پھر گوشہ عافیت میں بیٹھ کر ان یادداشتوں کی مدد سے سفر نامہ پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ وہ بادشاہوں سے بھی ملا، اور وزیروں سے بھی، خلیفۃ المسلمین سے بھی، اور امرائے عرب و عجم سے بھی، اہل علم سے بھی اور اصحاب سیف سے بھی۔

۹۱۔ ابن بطوطہ، سفر نامہ ابن بطوطہ، اردو ترجمہ: رئیس احمد جعفری، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع اول، ۱۹۶۱ء، ص ۲۸۴

۹۲۔ ایضاً ص ۲۸۷　　۹۳۔ ابن اثیر، ج ۶ ص ۴۴۱　　۹۴۔ ایضاً ص ۴۹۷　　۹۵۔ ایضاً ص ۴۹۸

۹۶۔ ۶۴۱ھ/۱۲۴۳ء میں سیلاب، النظامیہ اور اس کے قرب و جوار تک پہنچ گیا۔ ۶۴۶ھ/۱۲۴۸ء میں سیلاب نے مشرقی بغداد کو گھیر لیا۔ ۶۵۱ھ/۱۲۵۳ء اور ۶۵۳ھ/۱۲۵۵ء میں بھی بغداد سیلاب کا نشانہ بنا۔ بہت سے مکانات بیٹھ گئے۔ بدترین سیلاب ۶۵۴ھ/۱۲۵۶ء کا تھا۔ اس میں شہر کے دونوں حصوں کو پانی نے گھیر لیا اور مشرقی بغداد کے بازاروں، دار الخلافہ اور نظامیہ تک میں داخل ہو گیا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۴ ص ۶۶۱۔ بحوالہ: ابن فوطی، ص ۱۸۷۔۱۸۶)　　۹۷۔ ابن اثیر، ج ۶ ص ۲۲۴

۹۸۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۴، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع اول، ۱۹۸۹ء ص ۳۵۲　　۹۹۔ ایضاً ص ۳۵۳

۱۰۰۔ ایضاً ص ۳۵۲　　۱۰۱۔ سعدی شیرازی، کلیات سعدی، تہران، ۱۹۸۷ء ص ۵۶